

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

# نماز میں بھول کر کلام !

نماز میں بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس پر دلائل ملاحظہ فرمائیں :

**دلیل نمبر ① :** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں :

صَلَّى بِنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتِي الْعِشِيِّ ، قَالَ ابْنُ سِيرِينَ : قَدْ سَمَاهَا أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا ، قَالَ : فَصَلَّى بِنَا رَكَعَتَيْنِ ، ثُمَّ سَلَّمَ ، فَقَامَ إِلَى خَشْبَةِ مَعْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا ، كَأَنَّهُ غَضْبَانٌ ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى ، وَشَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ، وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى ، وَخَرَجَتْ السَّرْعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوا قَصُرَتِ الصَّلَاةُ . وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، فَهَابَا أَنْ يَكَلِّمَاهُ ، وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طَوْلُ يَقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَنْسِيتُ أَمْ قَصُرَتِ الصَّلَاةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ ، وَلَمْ تَقْصُرْ . فَقَالَ : أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ ، فَقَالُوا نَعَمْ ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكَ ، ثُمَّ سَلَّمَ ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سَجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سَجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ ، فَرَبَّمَا سَأَلُوهُ : ثُمَّ سَلَّمَ ؟ فَيَقُولُ : نَبَّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حَصِينٍ قَالَ : ثُمَّ سَلَّمَ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ [راوی ابن سیرین کا بیان ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کی تعیین کی تھی لیکن میں ہی بھول گیا ہوں]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں ، پھر سلام پھیر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں ہیں۔ آپ نے اپنا داہنا



ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ہوا تھا اور انگلیاں ایک دوسری میں ڈالی ہوئی تھیں اور اپنے دائیں رخسار مبارک کو اپنی بائیں ہتھیلی کی باہر والی جانب پر رکھا ہوا تھا۔ جلدی والے لوگ یہ کہتے ہوئے مسجد سے نکل گئے کہ نماز کم ہو گئی ہے۔ مسجد میں موجود لوگوں میں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن وہ آپ ﷺ سے بات کرنے سے ڈر رہے تھے۔ لوگوں میں ایک ایسا آدمی موجود تھا جس کے ہاتھ لمبے لمبے تھے، اسے ذوالیدین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: کیا بات ایسے ہی ہے جیسے ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ آگے بڑھے اور جو نماز چھوڑی تھی پڑھا دی، پھر سلام پھیرا، پھر تکبیر کہہ کر اپنے عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی، پھر تکبیر کہہ کر اپنے عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ [بسا اوقات شاگرد اپنے استاذ ابن سیرین سے سوال کرتے کہ کیا آپ ﷺ نے (سجدہ سہو کے بعد) سلام پھیرا تھا؟ آپ فرماتے: مجھے یہ بات بتائی گئی ہے کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا]۔“

(صحیح البخاری: ۶۹/۱، ح: ۴۸۲، واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۲۱۳/۱، ح: ۵۷۳)

قارئین کرام! یہ حدیث مبارکہ ”حدیث ذوالیدین“ کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ اس میں ذوالیدین نامی صحابی کا ذکر ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث علم دین کا خزانہ اور گنجینہ ہے۔ دین کے بڑے بڑے مسائل و احکام اور اصول اس سے ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے یہ سمجھ کر سلام پھیر دیا کہ میں نے نماز مکمل کر لی ہے، جبکہ اس کی نماز ایک رکعت یا دو رکعتیں باقی تھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے گفتگو بھی کر لی تو یہ بھول کر کلام کرنے والا شخص یاد آنے پر اپنی پہلی پڑھی ہوئی نماز پر بنیاد ڈالتے ہوئے اپنی



نماز پوری کر لے گا۔ اس کو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اس موقف کے بارے میں حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

”یہ جمہور علمائے سلف و خلف، نیز تمام کے تمام محدثین کا مسلک ہے۔“

(شرح صحیح مسلم للنووی: ۲۱۴/۱)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی نماز کے اندر بھول کر کلام کر لے یا لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ اس کو نماز دوہرانے کی حاجت نہیں۔ اس متفق علیہ حدیث کے بارے میں احناف کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور کلام کی حرمت سے پہلے کی ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ متاخرین احناف تو اسے ”مضطرب“ بھی قرار دیتے ہیں۔

علامہ نیموی حنفی (م ۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں: مضطربة بوجوه .

”یہ کئی طرح سے مضطرب ہے۔“ (التعلیق الحسن: ص ۱۷۵)

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب اس حدیث کے ”مضطرب“ ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ اضطرابات اتنے شدید ہیں کہ بعض محدثین نے اس واقعہ کو ان اضطرابات میں شمار کیا ہے جن کی تطبیق ممکن نہیں۔“ (درس ترمذی: ۱۶۱/۲)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام احادیث کے صحیح ہونے پر امت مسلمہ کا اتفاق و اجماع ہے جو کہ احناف کے تمام علماء کو بھی مسلم ہے۔ ”مضطرب“ حدیث ”ضعیف“ حدیث کی ہی ایک قسم ہے۔ اجماع امت کے خلاف اس حدیث کو ”مضطرب“ قرار دینا شاید سوائے نفس پرستی کے کسی اور نام سے موسوم نہ ہو سکے۔ مقلدین میں یہ رواج عام طور پر پایا جاتا ہے کہ جو حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہو، وہ اسے ”مضطرب“ اور منسوخ قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی حدیث کو ”مضطرب“ یا منسوخ قرار دینا مقلدین کا کام نہیں، کیونکہ یہ ان کا فن ہی نہیں۔ مقلدین فن حدیث کی نعمت سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں

جہاں علماء اور مجتہدین محدثین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ حافظ علائی رحمہ اللہ (۶۹۳-۷۷۱ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: وهذا الفن أغمض أنواع الحديث وأدقها مسلکا ، ولا يقوم به إلا من منحه الله تعالى فهما غايصا واطلاعا حاويا وإدراكا لمراتب الرواة ومعرفة ثاقبة ، ولهذا لم يتكلم فيه إلا أفراد أئمة هذا الشأن وحدّاقهم ، وإليهم المرجع في ذلك لما جعل الله فيهم من معرفة ذلك ، والاطلاع على غوامضه دون غيرهم ممن لم يمارس ذلك. ”یہ فن حدیث میں سے سب سے پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اس میں وہی لوگ کام کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے گہرا فہم، وسیع اطلاع، راویوں کے طبقات کے بارے میں اچھی خاصی سمجھ بوجھ اور روشن معرفت سے نوازا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فن حدیث کے بڑے بڑے ائمہ اور ماہرین نے ہی کلام کی ہے۔ اضطراب کو جاننے کے لیے انہی ائمہ دین کی طرف ہی رجوع کیا جانا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی معرفت دی ہے اور انہیں اس فن کی پیچیدگیوں پر مطلع کیا ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے لوگوں کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے جنہیں اس فن میں مہارت نہیں ہے۔“

(النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر: ۷۱۴/۲)

نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

ومن تأمل ألفاظ الصحابة وجمع الأحاديث بعضها إلى بعض واعتبر بعضها ببعض، وفهم لغة الصحابة أسفر له صبح الصواب وانقشعت عنه ظلمة الاختلاف والاضطراب، والله الهادي لسييل الرشاد والموفق لطريق السداد. ”جو شخص صحابہ کرام کے الفاظ پر غور کرے اور احادیث کو جمع کر کے ان کے سارے طرق اکٹھے کرے اور صحابہ کرام کی لغت کو سمجھے، اس کے لیے درستی کی صبح روشن ہو جاتی ہے اور اس سے اختلاف و اضطراب کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھے

راستے کی طرف ہدایت دینے والا اور درست سمت چلنے کی توفیق عطا کرنے والا ہے۔“

(زاد المعاد لابن القيم: ۱۳۱/۲)

قارئین کرام! آئیے اس تفصیل کے بعد حدیث ذوالیدین پر بعض الناس کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

**اعتراض نمبر ①:** بعض روایات میں نماز ظہر، بعض میں عصر

بعض میں ظہر یا عصر کا ذکر ہے۔ راوی حدیث امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اکثر ظنی أنها العصر. ”میرا غالب گمان ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔“

**جواب:** اس اختلاف سے کچھ فرق نہیں پڑتا، نبوی حنفی خود لکھتے ہیں:

لكنه لا شك أنّ رواية العصر أرجح لتوافق أكثر الروايات عليها .

”لیکن بلاشبہ عصر والی روایت راجح ہے کیونکہ اکثر روایات اس کے موافق ہیں۔“

(التعليق الحسن على آثار السنن للنبهوى: ۱۷۶)

اصول حدیث کے مطابق اضطراب کے سلسلے میں یہ بات بنیادی ہے کہ جب کوئی ایک روایت کسی قرینے کی بنا پر راجح قرار پا جائے تو اضطراب ختم ہو جاتا ہے اور راجح روایت قابل عمل ہوتی ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رحمہ اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو نمازوں ظہر اور عصر میں سے کوئی ایک نماز تھی۔ حافظ علائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قضية واحدة ، ولكن اختلف روايتها ، فمنهم من تردد في تعيين الصلاة هل هي الظهر أو العصر ، ومنهم من جزم بإحدهما ، والعلم عند الله سبحانه وتعالى .

”ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رحمہ اللہ کی حدیث ایک ہی واقعے سے متعلق ہے۔ البتہ اس کے راویوں میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے نماز کی تعیین میں تردد کا اظہار کیا

ہے اور بعض نے کسی ایک کو بالجزم بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم!“

(نظم الفرائد: ص ۹۶، بالاختصار)

علامہ عبد الرحمن بن یحییٰ معلیٰ یمانی (م ۱۳۸۶ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

ذلك لا يوجب اختلافا في المعنى المقصود ، فإن حكم الصلوات في السهو واحد . ”اس سے معنی مقصود میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا کیونکہ بھولنے

کی صورت میں تمام نمازوں کا حکم تو ایک ہی ہے۔“ (الانوار الكاشفة للعلمی: ص ۲۶۲)

**اعتراض نمبر ۲:** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دو رکعتوں کے بعد سلام

کا ذکر کرتے ہیں جبکہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ ، فَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ .**

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات ادا کرنے کے بعد سلام پھیر دیا۔“

(صحیح مسلم: ۱/۲۱۴، ح: ۵۷۴)

**جواب:** امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (صحیح ابن خزیمہ: ۲/۱۲۹) اور امام ابن

حبان رحمہ اللہ (صحیح ابن حبان: ۶/۳۹۷) نے اس معاملے کو متعدد واقعات پر محمول کیا ہے، یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ واقعہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ واقعے سے جدا ہے۔ لہذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔

**اعتراض نمبر ۳:** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ثم سلم ، فقام إلى خشبة معروضة في المسجد فاتكأ عليها .

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو

کر اس پر ٹیک لگا لی۔“ (صحیح البخاری: ۱/۹۶، ح: ۴۸۲، صحیح مسلم: ۱/۱۲۱، ح: ۵۷۳)

جبکہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**



عليه وسلم صَلَّى العصر ، فسَلَّم في ثلاث ركعات ، ثم دخل منزله .  
 ”رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی اور تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا ، پھر آپ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔“ (صحیح مسلم: ۱/۲۱۴، ح: ۵۷۴)  
 دونوں احادیث میں نماز سے سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قیام کے حوالے سے دو مختلف جگہوں کا ذکر ہے۔

**جواب :** گزشتہ سطور میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ بجائے تعارض کے ان احادیث میں دو الگ جگہوں کا ذکر ہونا تو اس بات کو مزید تقویت دیتا ہے کہ یہ دو جُدا جُدا واقعات ہیں، لہذا ان میں الفاظ کا اختلاف مُضر نہیں۔

**اعتراض نمبر ۴ :** بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا ، پھر دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد سجدہ سہو کیا تھا۔ جبکہ سنن ابوداؤد (۱۰۱۵) میں ہے :  
 ”فرکع رکعتین آخرین ، ثم انصرف ، ولم یسجد سجدتی السهو .“  
 ”آپ ﷺ نے آخری دو رکعتیں ادا کیں ، پھر آپ نے سلام پھیرا اس حال میں کہ سہو کے دو سجدے نہیں کیے تھے۔“

**جواب :** ان دونوں روایات میں بھی قطعاً کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے کیونکہ سنن ابوداؤد والی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کی نفی ثابت ہوتی ہے ، یعنی آپ ﷺ نے سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے نہیں کیے بلکہ بعد میں کیے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد یہ دو سجدے کیے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ بھی یہی باور کرا رہے ہیں۔

سنن نسائی کی ایک روایت (۱۲۳۳) میں یہ ذکر ہے کہ  
 ”لم یسجد رسول اللہ ﷺ سنن نسائی کی ایک روایت (۱۲۳۳) میں یہ ذکر ہے کہ  
 ”اس دن رسول اللہ ﷺ



نے نہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا نہ بعد میں۔“

یہ روایت امام زہری رحمہ اللہ کی ”تدلیس“ کی بنا پر ”ضعیف“ ہے، سماع کی تصریح ثابت نہیں ہو سکی، لہذا اس روایت کو بخاری و مسلم کی روایات کے تعارض میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

**فائدہ :** نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھولنے کے حوالے سے روایات کو

متعدد واقعات پر محمول کیے جانے کے بارے میں علامہ نیموی خفی لکھتے ہیں :

هذا قول لا يرتضيه الناظر ولا يطمئن به الخاطر ، لأنّ السائل وسياق  
سواله وسياق ما أجاب به النبي صلى الله عليه وسلم وما استفهم به الصحابة ،  
كلّ ذلك متحد في هذه الروايات ، وقد كان ابن سيرين يرى التوحيد بين  
حديث أبي هريرة وعمران لأنّه قال في آخر حديث أبي هريرة : نبئت أنّ  
عمران بن حصين رضى الله عنه قال : ثمّ سلّم . ”اس بات کو دیکھنے والا

پسند نہیں کرتا نہ اس سے دل مطمئن ہوتا ہے کیونکہ سوال کرنے والے کے سوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے جواب کا سیاق اور صحابہ کرام کا فہم تمام روایات میں ایک جیسا ہے۔ امام ابن سیرین بھی  
ان روایات کو ایک ہی واقعہ سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر  
میں فرمایا: مجھے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ پھر نبی  
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔“ (التعليق الحسن للنيموي: ۱۷۵-۱۷۶)

**جواب :** قارئین کرام اس بات کو پسند کرتے ہیں یا نہیں ، یہ معاملہ ہم

انہی پر چھوڑتے ہیں۔ رہا نیموی صاحب کا یہ کہنا کہ ان روایات کو متعدد واقعات پر محمول  
کرنے سے دل مطمئن نہیں ہوتا، کچھ مضر نہیں کیونکہ اس بات پر محدثین کرام مثلاً امام ابن  
خزیمہ اور امام ابن حبان رحمہما اللہ کا دل مطمئن ہو گیا ہے، اب نیموی صاحب کا دل مطمئن ہونا  
ضروری نہیں۔



رہی یہ بات کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ ان سب روایات کو ایک ہی واقعہ سمجھتے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ اس پر دلیل یہ دی گئی ہے کہ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی، پھر سجدہ سہو کے بعد سلام پھیرنے کے سوال پر انہوں نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیا۔ اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام محمد بن سیرین ان روایات کو ایک ہی واقعہ سمجھتے تھے، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ چونکہ ان تمام روایات میں سجدہ سہو کا معاملہ بیان ہوا ہے، اس لیے امام محمد بن سیرین نے سوال کا جواب دینے کے لیے سب واقعات سے برابر استدلال کیا۔ واقعات دو ہوں یا زیادہ، جب مسئلہ ایک ہو تو سب روایات سے یکساں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا خیال یہ ہوگا کہ اگرچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں سجدہ سہو کے بعد سلام کا ذکر نہیں ہوا لیکن سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بھی تو سجدہ سہو کے بارے میں ہی ہے، اس میں تو ذکر موجود ہے، لہذا سجدہ سہو کے بعد سلام پھیرنا چاہیے۔

### اعتراض نمبر ⑤ : ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی

شخصیت کے دو نام ہیں۔ یہ دونوں نام سنن نسائی (۱۲۹، وسندہ صحیح) میں ثابت ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ذوالشمالین صحابی بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ معرکہ بدر دو ہجری میں ہوا تھا، لہذا واقعہ ذوالیدین بہت پہلے کا ہے (صحیح ابن حبان: ۲۶۸۸) جب نماز میں گفتگو کرنا منسوخ نہیں ہوا تھا۔

### جواب : اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ذوالیدین کو ذوالشمالین بھی

کہتے ہیں لیکن یہ وہ نہیں ہیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ یہ دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کا سجدہ سہو والی حدیث میں مذکور ذوالشمالین کو وہی شخصیت قرار دینا جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، ان کا وہم ہے، جیسا کہ اتفاقی طور پر تمام محدثین نے صراحت کی ہے:

① حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: المقتول ببدر ذو الشمالین ، وهو

غير المتكلم حديث السهو ، هذا قول الحفاظ كلهم وسائر العلماء إلا الزهري فقال : هو هو ، واتفقوا على تغليب الزهري في هذا . ”ذوالشمالين جو

بدر کے معرکہ میں شہید ہوئے تھے ، وہ وہی شخصیت نہیں ہیں جنہوں نے سجدہ سہو والی حدیث میں بات کی ہے۔ امام زہری کے علاوہ تمام حفاظ حدیث اور علمائے کرام کا یہی کہنا ہے۔ امام زہری کے بقول یہ وہی شخصیت ہیں۔ تمام حفاظ اور علمائے کرام نے اس بارے میں امام زہری کی بات کو بالاتفاق غلط قرار دیا ہے۔“

(خلاصة الاحكام في مهمات السنن وقواعد الاسلام للنووي : ٢/٢٣٥)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (٣٦٨-٤٠٣ھ) فرماتے ہیں : فليس قول ابن

شهاب أنه المقتول ببدر حجة لأنه قد تبين غلطه في ذلك .

”امام ابن شہاب زہری کا اسے بدر کا شہید کہنا قابل حجت نہیں کیونکہ اس بارے میں ان کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔“ (التمهيد لابن عبد البر : ١/٣٦٤)

امام مسلم بن حجاج نيسابوري رحمہ اللہ (٢٠٣-٢٦١ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں :

وخبر ابن شهاب هذا في قصة ذي الديدن وهم غير محفوظ لتظاهر الأخبار الصحاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم .

”ابن شہاب زہری کا ذوالیدین کے قصے کے بارے میں بیان وہم اور غیر محفوظ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث اس بارے میں واضح ہیں۔“ (التميز للامام مسلم : ٤٥)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں :

الشمالين المقتول ببدر بدليل ما في حديث أبي هريرة ومن ذكرنا معه من حضورهم تلك الصلاة . ”ذوالیدین صحابی وہ ذوالشمالین نہیں ہیں جو بدر

میں شہید ہو گئے تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کا تذکرہ

موجود ہے، نیز ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے ساتھ اس نماز میں حاضر تھے۔“  
(التمہید لابن عبد البر: ۱/۳۶۳)

**اعتراض ۶ :** سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ:

انہ ذکر له حدیث ذی الیدین ، فقال : کان اسلام أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ بعد ما قتل ذو الیدین . ”ان کے سامنے ذوالیدین والی حدیث ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہی ذوالیدین کے شہید ہونے کے بعد ہوئے تھے۔“ (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۴۵۰)

**جواب :** اس اثر کی سند عبد اللہ بن وہب مصری کی ”تدلیس“ کی بنا پر ”ضعیف“ ہے۔ وہ بصیغہ عن اسے روایت کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔ مسلم اصول ہے کہ ملس راوی جب بخاری و مسلم کے علاوہ بصیغہ عن، قال، روی یا ذکر روایت کرے تو اس کی روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے تا وقتیکہ وہ کسی سند میں سماع کی تصریح نہ کر دے۔

خود واقعہ ذوالیدین میں بھی بعض ایسے دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ذوالشمالین وہ نہیں ہیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ بدر میں شہید ہونے والے ذوالشمالین نامی صحابی کے بارے میں سوائے علم مغازی رکھنے والے علماء کی تصریحات کے کچھ ثابت نہیں۔ باسند صحیح اس بارے میں کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔

**اعتراض ۷ :** امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صلی عمر رضی اللہ عنہ بأصحابہ فسلم فی الركعتین ، ثم انصرف ، فقيل له ذلک ، فقال : إني جهّزت غيرا من العراق بأحمالها وأحقابها حتى وردت المدينة ، فصلّي بهم أربع ركعات . ”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے



ساتھیوں کو نماز پڑھائی اور دو رکعتوں بعد سلام پھیر دیا۔ پھر واپس پلٹنے لگے تو ان سے اس بارے میں بات کی گئی۔ آپ نے فرمایا: میں نے (نماز کے اندر خیالات میں) عراق سے سامان سے لدا پھندا ایک قافلہ تیار کیا حتیٰ کہ وہ مدینہ میں آ گیا (اسی وجہ سے نماز میں بھول گیا)۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو چار رکعتیں پڑھائیں۔“ (شرح معانی الآثار: ۴۴۸/۱)

واقعہ ذوالیدین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ خود از سرنو چاروں رکعتیں پڑھا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالیدین والا واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے، ورنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باقی دو رکعتیں ہی پڑھانے پر اکتفا کرتے۔

**جواب :** یہ اثر بلحاظ سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کی روایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ”منقطع“ ہوتی ہے۔ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو درکنار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی نہیں پایا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴-۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: عطاء بن عمر بن الخطاب منقطع . ”عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کی روایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے۔“ (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۹۸/۱۰، نصب الراية للزيلعي: ۱۲۶/۳)

رہا مسئلہ امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کی مراسیل کا تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۴-۲۴۱ھ) فرماتے ہیں: أمّا الحسن وعطاء فليس هي بذلك ، هي أضعف المرسلات ، لأنهما كانا يأخذان عن كل أحد . ”رہی حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کی مرسل روایات تو وہ بے فائدہ ہیں اور وہ سب مرسلات سے بڑھ کر ضعیف ہیں کیونکہ یہ دونوں ہر (ثقة وضعیف) سے روایت لیتے تھے۔“

(المعرفة والتاريخ للفوسى: ۲۳۹/۳، السنن الكبرى للبيهقي: ۴۲/۶، الكفاية في علم الرواية للخطيب: ۳۸۶، وسنده صحيح)

ثابت ہوا کہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی مرسل روایات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ”ضعیف“ ترین ہیں۔ خود امام طحاوی رحمہ اللہ (۲۳۸-۳۲۱ھ) ایک دوسری روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

حدیثا منقطعاً لا یثبتہ اهل الخبر لأنہم لا یحتجون بالمنقطع .

”یہ حدیث منقطع ہے، اسے محدثین کرام ثابت نہیں سمجھتے کیونکہ وہ منقطع روایت سے حجت لینے کے قائل نہیں۔“ (شرح معانی الآثار: ۱/۱۰۳)

لہذا اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ ذوالشمالین نامی صحابی وہی ہیں جو بدر کے شہداء میں سے تھے۔ حدیث ذوالیدین کے ”مضطرب“ اور منسوخ ہونے کے حوالے سے سارے کے سارے شہادت کا فور ہو گئے ہیں۔ واللہ الحمد والمآء

### دور از کار تا ویلات اور ان کا تجزیہ

اتنی صراحت کے بعد بھی اس واقعے کو نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ثابت کرنے کے لیے مقلدین نے بہت سی دور از کار تا ویلات بھی کی ہیں۔ آئیے ان کا جائزہ لیتے ہیں:

### تاویل ①: یہ اتفاقی بات ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں مشرف

بہ اسلام ہوئے تھے، لہذا یہ واقعہ ۷ ہجری یا اس کے بعد کا ہے جس میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود موجود تھے، کیونکہ اس حدیث میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز

پڑھائی۔“ (صحیح البخاری: ۱/۹۶، ح: ۱۲۲۷، صحیح مسلم: ۱/۲۱۳، ح: ۵۷۳)

ان الفاظ کی تاویل کرتے ہوئے امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صلی بنا سے مراد

صلی بالمسلمین ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۴۵۰)

**جواب :** یہ تاویل بالکل باطل ہے۔ حدیث کے واضح الفاظ کو بغیر کسی

دلیل اور قرینے کے حقیقی معنی سے پھیر کر مجازی معنی کی طرف لے جانا عام حالات میں بھی کسی طور درست نہیں، چہ جائیکہ اس کے حقیقی معنی کے دلائل بھی موجود ہوں۔

اس خفی تاویل کا ردّ خود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کے الفاظ سے ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۲۱۴/۱) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

بینما أنا أصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم . ”اس دوران

کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا تھا۔“

یہ نص قطعی ہے اس بات پر کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقعہ ذوالیہدین میں خود موجود تھے اور یہ مسلم امر ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے کے بہت بعد ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، امام طحاوی خفی کی تاویل کے جواب میں لکھتے ہیں :

إن جاز لك فيه مع ترك الظاهر لم يجز في قوله : بينما أنا أصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم . ”ظاہری و حقیقی معنی کو چھوڑنے کے باوجود

آپ کے لیے یہ تاویل اگرچہ ممکن ہو گئی تھی لیکن سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ میں کوئی تاویل ممکن نہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا تھا۔“

(معرفة السنن والآثار للبيهقي : ۴۷۶/۳)

یعنی کوئی صحابی کسی واقعے میں شریک نہ ہو لیکن وہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کر کے مسلمانوں کو مراد لے ، اس کو تسلیم کر بھی لیں تو یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صریح الفاظ کے ساتھ اس واقعے میں اپنی موجودگی کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اس ٹھوس دلیل کا کوئی جواب نہیں۔



جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ”یہود مدینہ کے اخراج کے بارے میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **بینما نحن فی المسجد إذ خرج إلینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فقال : (( انطلقوا إلی یہود ))** (ہم مسجد میں تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: یہودیوں کی طرف پیش قدمی کرو۔) حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے بہت بعد اسلام لائے۔“

(درس ترمذی از تقی: ۱۵۷/۲)

**جواب:** یہ بات جناب تقی عثمانی صاحب کی جہالت پر مہر ثبت ہے۔ اپنی فقہ کی حمایت اور حدیث کی مخالفت میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ادھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بینا نحن فی المسجد کہہ رہے ہیں جب کہ وہ اس وقت مسجد میں موجود نہ تھے، کیونکہ بنو قریظہ ان کے اسلام لانے سے بہت دیر پہلے ہی جلا وطن ہو چکے تھے، لہذا وہ واقعہ ذوالیدین میں موجود نہ تھے۔ انہوں نے صلی لنا کہہ کر مسلمین کی جماعت مراد لی ہے۔ ہماری ان سے گزارش ہے کہ وہ ذرا ہوش میں آئیں اور اپنے ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کی بات بھی سنیں۔ وہ کہتے ہیں: **والخطاب لمن بقى فی المدینة ومن حولها من الیہود بعد إخراج بنی النضیر و قتل بنی قریظة .** ”یہ خطاب ان لوگوں کے متعلق ہے جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں بنو نضیر کی جلا وطنی اور بنو قریظہ کے قتل کے بعد باقی رہ گئے تھے۔“ (المرفاة: ۲۹۴/۱۲)

بنو قریظہ وغیرہ کا اخراج سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ہو چکا تھا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ وہ مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں کے بارے میں تھا۔ اور اس واقعہ کے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عینی شاہد ہیں۔ لہذا صلی لنا کے بارے میں بعض

الناس کی یہ تاویل باطل ٹھہری۔

**تاویل ۲:** جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب نے بینا أنا أصلي مع النبي

صلی اللہ علیہ وسلم کی تاویل میں دو باتیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہے۔ اصل میں صلی لنا تھا، اس نے مذکورہ الفاظ میں بدل دیا۔ اس پر انہوں نے دلیل یہ دی ہے کہ: ”مستدرک حاکم میں سند ”صحیح“ کے ساتھ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: دخلت

على رقية بنت النبي صل الله عليه وسلم (میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ

رقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔) حالانکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے

پانچ سال پہلے وفات پا چکی تھیں۔ لہذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان کے پاس جانے کا کوئی

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں اس کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں کہ اصل لفظ دخلنا تھا اور

اس کے معنی دخل المسلمون تھے۔ راوی نے اس میں تصرف کر کے اس کو دخلت

بنادیا۔“ (درس ترمذی از تقی عثمانی: ۱۵۸/۲)

**جواب:** جس روایت کی طرف تقی عثمانی صاحب نے اشارہ کیا ہے، وہ

مستدرک حاکم (۴/۲۸)، المعجم الکبیر للطبرانی (۱/۸۶) اور تاریخ ابن عساکر (۳۹/۹۷) میں

موجود ہے۔ تقی عثمانی صاحب کے ”صحیح“ کہنے کے برعکس اس کی سند ”ضعیف“ ہے جیسا کہ

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولا يعرف للمطلب سماع من أبي هريرة

ولا لمحمد عن المطلب، ولا تقوم به الحجة. ”نہ مطلب کا سیدنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے نہ محمد کا مطلب سے۔ اس روایت سے دلیل نہیں لی جا

سکتی۔“ (التاریخ الصغیر للبخاری: ۴۸)

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب بن عبد اللہ کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے



روایت ”مرسل“ ہوتی ہے۔ (المراسیل لابن ابی حاتم: ۲۰۹)

نیز مطلب بن عبد اللہ ”مسل“ بھی ہیں (طبقات المدلسین لابن حجر: ۶۷۱) اور یہ روایت بصیغہ عن بیان کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت ”ضعیف“ اور ناقابل حجت ہے، لہذا جس تاویل کے لیے اسے حجت بنایا جائے گا، وہ تاویل بھی یقیناً ضعیف ہوگی۔

**تاویل ۳:** نیوی خفی وغیرہ کہتے ہیں کہ بینما اصلى مع رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں، کیونکہ ان کو بیان کرنے میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی منفرد ہے۔

**جواب:** قارئین کرام! یہ بات حدیث اور راویان حدیث کے کردار کو

مشکوٰۃ بنانے کی کوشش ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر ثقہ، ثبت راوی ہیں۔ اگر ایسے راوی پر بھی اعتبار نہیں جو محدثین کرام کے ہاں بلند درجے کا قابل اعتبار ہے تو پھر بھلا کس پر اعتماد کیا جائے گا اور کون سی حدیث صحیح رہ جائے گی؟ یحییٰ بن ابی کثیر کے بیان کردہ الفاظ واضح طور پر پتا دیتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے:

شہد هذه الصلاة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، لا أنه حكاها كما توهم من جهل صناعة الحديث حيث لم ينعم النظر في متون الأخبار ولا تفقه في صحيح الآثار .

”ان احادیث کا بیان جو اس بات میں صریح ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے۔ فن حدیث سے جاہل لوگوں نے گمان کیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو کسی سے سن کر آگے بیان کیا ہے۔ ان لوگوں نے احادیث کے متون میں غور و فکر نہیں کیا نہ ان کو صحیح احادیث کی فقہ حاصل ہوئی

ہے۔“ (صحیح ابن حبان: ۲۸/۶)



## دلیل نمبر ۲ :

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى العصر ، فسلم في ثلاث ركعات ، ثم دخل منزله ، فقام إليه رجل يقال له : خرباق ، وكان في يديه طول ، فقال : يا رسول الله ! فذكر له صنيعه ، وخرج غضبان يجرد رداءه حتى انتهى إلى الناس ، فقال : أصدق هذا ؟ قالوا : نعم ، فصلّى ركعة ، ثم سلم ، ثم سجد سجدة ، ثم سلم . ” رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی تو تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ ایک آدمی نے جس کا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ لمبے لمبے تھے، کہا: اے اللہ کے رسول! پھر اس نے وہ بات بتائی جو آپ ﷺ نے نماز میں کی تھی۔ آپ ﷺ غصے میں اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ لوگوں کے پاس آ گئے اور فرمایا: کیا اس نے سچ بولا ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے ایک رکعت ادا کی، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔“

(صحیح مسلم: ۱/۲۱۴، ح: ۵۷۴)

یہ ایک دوسرا واقعہ ہے جس میں نماز کے بعد گھر میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں خرباق نامی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تھی۔ اس کے ہاتھ بھی لمبے لمبے تھے۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رجل طويل اليدين يقال له : الخرباق ، وممكن أن يكون رجلاً أو ثلاثة يقال لكل واحد منهم : ذواليدین وذو الشمالین ، ولكن المقتول يوم بدر غير الذي تكلم في حديث أبي هريرة إلى النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حين سها ، فسلم من اثنتين ، وهذا قول أهل الحذق والفهم من أهل الحديث والفقہ .

”سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک لمبے ہاتھوں والا شخص تھا جسے



خرباق کہا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ (لمبے ہاتھوں والے) دو یا تین آدمی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کو ذوالیدین اور ذوالشمالین کہا جاتا ہو، لیکن جو ذوالیدین صحابی بدر میں شہید ہو گئے تھے وہ اس صحابی سے علیحدہ شخصیت تھے جنہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے اس وقت بات کی تھی جب آپ ﷺ بھول گئے تھے اور آپ نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا تھا۔ محدثین کرام اور فقہاء میں سے اہل مہارت اور اہل دانش کا یہی قول ہے۔“ (التمہید لابن عبد البر: ۳۶۳/۱)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ نماز میں بھول کر یا لاعلمی کی حالت میں کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اگر بھول کر سلام پھیر دیا گیا اور درمیان میں گفتگو بھی کر لی گئی تب بھی پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بنیاد ڈالتے ہوئے باقی نماز ادا کر لی جائے گی اور دو سجدہ سہو کر لیے جائیں گے۔ از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

**دلیل نمبر ۳ :** سیدنا معاویہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ فَسَهَا ، فَسَلَّمَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ انْصَرَفَ ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! إِنَّكَ سَهَوْتَ ، فَسَلَّمْتَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ ، فَأَمَرَ بِلَالًا ، فَأَقَامَ الصَّلَاةَ ، ثُمَّ أَتَمَّ تِلْكَ الرُّكْعَةَ ، وَسَأَلْتُ النَّاسَ عَنِ الرَّجُلِ الَّذِي قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ سَهَوْتَ ، فَقِيلَ لِي : تَعْرِفُهُ ؟ فَقُلْتُ : لَا إِلَّا أَنْ أَرَاهُ ، وَمَرَّ بِي رَجُلٌ ، فَقُلْتُ : هُوَ هَذَا ، فَقَالُوا : هَذَا طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ .

”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ بھول گئے اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر آپ ﷺ واپس ہوئے تو ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں اور آپ نے دو رکعتوں کے بعد ہی سلام پھیر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے اقامت کہی، پھر آپ ﷺ نے باقی ماندہ

رکعت کو مکمل کیا۔ میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا: کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، ہاں اگر دیکھ لوں تو پہچان جاؤں گا۔ وہ آدمی میرے پاس سے گزرا تو میں نے کہا: یہ وہی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔“

(مسند الامام احمد: ۶/۴۰۱، سنن ابی داؤد: ۱۰۲۳، سنن النسائی: ۶۶۵، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن حبان (۲۶۷۴) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے

ہیں: حدیث صحیح الإسناد علی شرط الشیخین۔ ”اس حدیث

کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔“ (المستدرک علی الصحیحین: ۱/۲۶۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے اور البوسعدی بن یونس کہتے ہیں:

”یہ صحیح ترین حدیث ہے۔“

ہذا أصح حدیث۔ (تاریخ ابن عساکر: ۱۵:۵۹، وسندہ صحیح)

جناب نیوی حنفی (م ۱۳۲۲ھ) اس حدیث پر یوں اعتراض کرتے ہیں:

تفرّد به سوید بن قیس ، ولا یثبت سماعه من معاوية بن حديج ، وأما ما قالوا فی کتب أسماء الرجال : یروی عن معاوية بن حديج ، فهذا لیس فی السماع لأنهم کثیرا ما یقولون مثل هذا وإنما یریدون بالرواية أعم من أن تكون موصولة أو مرسلة ... ”اس حدیث کو بیان کرنے میں سوید بن قیس

منفرد ہیں اور ان کا سیدنا معاویہ بن حدّج رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ کتب اسماء الرجال میں محدثین کرام کا یہ کہنا کہ یہ معاویہ بن حدّج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، سماع کے بارے میں نہیں، کیونکہ محدثین کرام بہت زیادہ ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں لیکن ان کی مراد روایت کرنے سے عام ہوتی ہے خواہ وہ موصول ہو یا مرسل۔“ (التعلیق الحسن: ص ۱۸۵)

**تبصرہ :** جناب نیموی حنفی صاحب تعصب میں حد سے گزر گئے ہیں۔

یقیناً حدیث سے ان لوگوں کو کوئی علاقہ نہیں۔ محدثین کرام کے اصولوں اور قوانین کا جو حشر یہ کرتے ہیں، وہ آپ کے سامنے ہے۔ جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (م ۱۳۵۲ھ) نے کیا خوب کہا ہے:

وَأِنَّمَا الضَّوَابِطُ عَصَا الْأَعْمَى . ”یقیناً قوانین

وہ کام دیتے ہیں جو اندھے کے لیے لٹھی دیتی ہے۔“ (فیض الباری: ۴/۱۵)

جب محدثین کرام سوید بن قیس کو سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ذکر کرتے ہیں اور سماع کا امکان موجود ہے اور کسی ثقہ امام نے سماع کی نفی نہیں کی تو روایت متصل ہوگی۔ اس پر سہاگہ یہ کہ محدثین کرام کی ایک جماعت نے سوید بن قیس کی معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ کسی ایک محدث نے بھی سوید بن قیس کے سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے سماع پر تنقید و جرح نہیں کی۔ یہ ان کے سماع کی ایک زبردست دلیل ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۶۷۴)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۷۷۱)، امام ابن جارود (۳۲۰)، حافظ ابوالقاسم الکتانی (جزء البطاقة: ۱۷، مکتبہ شاملہ) نے سوید بن قیس کی سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کو ”صحیح“ کہا ہے۔

خود نیموی حنفی صاحب نے اپنی اسی کتاب آثار السنن (ج: ۲۶) میں سوید بن قیس کی سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے بیان کی روایت کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ یہ حدیث کے خلاف مقلدین کی نفس پرستی کی واضح دلیل ہے۔ وہ اپنے من پسند اصول چاہتے ہیں کہ جب چاہیں انہیں سینے سے لگالیں اور جس وقت چاہیں ان کا خون کر دیں!!!

اس حدیث کے راوی سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کے بارے میں نیموی حنفی لکھتے ہیں:

وإن سلمنا أن يصح الإسناد كما زعمه الحاكم فلا نسلم أن معاوية بن



حدیج أسلم قبل وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشهرین كما زعم البيهقي  
وتبعه النووى فى الخلاصة والحافظ ابن حجر فى الفتح ، بل نقول : إنّ هذه  
الواقعة كانت قبل نسخ الكلام ، وإليه ذهب الطحاوى فى معانى الآثار  
(۱/۲۴۸) ، ألا ترى أنّه أخبر أنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجع فدخل  
المسجد وأمر بلالا فأقام الصلاة ، فصلّى للناس ركعة ، ولا يجوز لأحد اليوم  
مثل ذلك لأن فعل ونحوها قاطع للصلاة بالإجماع على ما حكاه الطحاوى  
فى معانى الآثار . ”اگر ہم اس کی سند کو صحیح تسلیم کر بھی لیں جیسا کہ امام حاکم  
نے کہا ہے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات  
سے دو ماہ پیشتر اسلام لائے ہوں جیسا کہ امام بیہقی نے دعویٰ کیا ہے اور خلاصۃ الاحکام میں  
علامہ نووی اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے ان کی موافقت کی ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ  
یہ واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔ امام طحاوی شرح معانی  
الآثار (۱/۲۴۸) میں اسی طرف گئے ہیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس  
لوٹے، مسجد میں داخل ہوئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے اقامت کہی ، پھر  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی۔ آج کسی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ  
اقامت وغیرہ نماز کو توڑ دیتے ہیں جیسا کہ شرح معانی الآثار میں امام طحاوی نے اس پر  
اجماع نقل کیا ہے۔“ (التعلیق الحسن : ص ۱۸۵)

**تبصرہ :** آخر حدیث کے خلاف یہ سینہ زوری کیوں؟ محدثین کرام کا  
فیصلہ نامقبول کیوں؟ سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو ماہ پہلے  
مسلمان نہ بھی ہوئے ہوں تو صحابی صغیر ضرور ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو ”صحابی  
صغیر“ قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر : ۶۷۵۰)



نماز میں کلام کی منسوخیت بہت پہلے کی ہے۔ سیدنا معاویہ بن حدتج رضی اللہ عنہ صحابی صغیر ہیں اور بیان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بھول کر سلام پھیر دیا تھا، یاد آنے پر سابقہ نماز پر بناء کرتے ہوئے نماز مکمل کر لی۔ رہا امام طحاوی حنفی کا یہ اعتراض کہ اس روایت میں باقی نماز کے لیے اقامت کا بھی ذکر ہے تو جی ہاں! آج بھی کوئی بھول کر سلام پھیر دے تو باقی نماز کو ادا کرنے سے قبل اقامت کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ سنت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے، اسی لیے تو امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

الإقامة لمن نسي ركعة من صلاة . ”جو شخص کسی نماز سے ایک رکعت

بھول جائے، اس کے لیے اقامت کا بیان۔“

حافظ ابن رجب حنبلی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

هذا يدل على أن إقامة الصلاة والأمر بها لا يبطل البناء على ما مضى من الصلاة . ”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت اور اس کا حکم دینا سابقہ نماز پر

بناء کرنے کو باطل نہیں کرتا۔“ (فتح الباری لابن رجب: ۶/۴۷)

ہاں نماز کے اندر بغیر بھولے جان بوجھ کر اذان و اقامت کہنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

**دلیل نمبر ۴):** سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناس ركعتين ، فسها فسلم ، فقال له رجل يقال له : ذو الیدين ، فذكر مثل حديث ابن عون وهشام ، وحديثهما : أنه قال : نقصت الصلاة ؟ فقال : لا ، فصلی ركعتين أخرائين ، ثم سلم ، ثم سجد سجدة ، ثم سلم . ”رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دو

رکعتیں پڑھائیں تو بھول کر سلام پھیر دیا۔ ایک آدمی نے جس کو ذوالیدین کہا جاتا تھا، کہا: کیا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، پھر آپ ﷺ نے باقی دو رکعتیں



پڑھائیں، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷/۲، وسندہ صحیح)

## دلیل نمبر ⑤ :

واقعہ ذوالیدین کے راوی سعد بن ابراہیم رضی اللہ عنہ،

عروہ بن زبیر تابعی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں :  
 إِنَّهُ صَلَّى مَرَّةَ  
 الْمَغْرِبِ رَكَعَتَيْنِ ، ثُمَّ سَلَّمَ ، فَكَلَّمَ قَائِدَهُ ، فَقَالَ لَهُ قَائِدُهُ : إِنَّمَا صَلَّيْتَ رَكَعَتَيْنِ ،  
 فَصَلِّ رَكَعَةً ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَجِدْ سَجْدَتَيْنِ .  
 ”انہوں نے ایک دفعہ مغرب کی  
 نماز دو رکعتیں ادا کر کے سلام پھیر دیا، پھر اپنے رہنما سے باتیں کرنے لگے۔ ان سے ان  
 کے رہنما نے کہا: آپ نے تو دو رکعتیں ادا کی ہیں۔ انہوں نے فوراً ایک رکعت ادا کی، پھر  
 سلام پھیرا اور دو سجدے کیے۔“

(صحیح البخاری: ۱/۱۶۳، ح: ۱۲۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷/۲، وسندہ صحیح)

حافظ ابن عبد البر رضی اللہ عنہ (۳۶۸-۴۶۳ھ) فرماتے ہیں :  
 وَقَدْ رَوَى قِصَّةَ

ذی الیدین عبد اللہ بن عمر و معاویہ بن حدیج و عمران بن حصین و ابن مسعدہ  
 رجل من الصحابة ، و کلّهم لم یحفظ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا صحبہ  
 ”ذوالیدین کے قصے کو سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا

معاویہ بن حدیج، سیدنا عمران بن حصین اور ایک صحابی ابن مسعدہ نے بیان کیا ہے۔ ان  
 سب نے نبی اکرم ﷺ سے صرف مدینے کے آخری دور میں ہی احادیث یاد کی تھیں اور اسی  
 دور میں نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی۔“ (التمہید لابن عبد البر: ۱/۳۶۲)

ثابت ہوا کہ یہ سارے کے سارے واقعات نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے  
 بہت بعد کے ہیں۔ اگر بالفرض ان واقعات کو جواز کلام کی منسوحیت سے پہلے کا بھی تسلیم کر  
 لیا جائے تو ان کا تعلق اس انسان سے ہے جو نماز میں بھول جائے، جبکہ نماز میں کلام کی وجہ





سے فساد تب آتا ہے جب وہ جان بوجھ کر کی جائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث ذوالیدین وغیرہ کا تعلق نماز میں کلام کی منسوخت سے پہلے کے زمانے سے ہے، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے ان کا بھرپور رد کیا ہے اور ایسے لوگوں کو جاہل اور معاند قرار دیا ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۸/۲-۱۲۴)

نیز امام ابن منذر رحمہ اللہ نے بھی ان لوگوں کی خوب خبر لی ہے۔ (الاولیٰ: ۲۹۲/۳، ۲۹۳)

## بعض الناس کے دلائل

بعض لوگ واقعہ ذوالیدین وغیرہ کے خلاف یہ دلائل پیش کرتے ہیں:

① سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ : ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾ (البقرة: ۲۳۸) ، فَأَمَرْنَا بِالسَّكُوتِ وَنَهَيْنَا عَنْ الْكَلَامِ .** ”ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نماز کے اندر کلام کر لیا کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک اپنے ساتھی سے اپنی ضرورت کی بات کر لیتا تھا حتیٰ کہ سورۃ البقرہ کی آیت (۲۳۸) نازل ہو گئی، پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور ہمیں کلام سے منع کر دیا گیا۔“ (صحیح البخاری: ۱/۱۶۰، ح: ۱۲۰۰، صحیح مسلم: ۱/۲۰۳، ح: ۵۳۹)

**تبصرہ:** اس حدیث کا تعلق اس انسان سے ہے جو نماز میں جان بوجھ

کر کلام کرتا ہے۔ عام محدثین کرام نے اس حدیث کا یہی معنی لیا ہے۔ واقعہ ذوالیدین ایک خاص معاملے کے بارے میں ہے کہ جب انسان بھول کر نماز میں کلام کر لے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ عموم و خصوص میں تعارض ہو تو اصول کے مطابق خاص دلیل کو ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

② سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں سلام کے بارے میں بیان کرتے ہیں:



کنا نسلّم على النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، وهو فی الصلاة ، فیردّ علینا ، فلما رجعنا من عند النجاشی سلّمنا علیہ فلم یردّ علینا ...

”رسول اللہ ﷺ نماز کی حالت میں ہوتے تو ہم آپ کو سلام کہہ دیتے تھے اور آپ ہمیں جواب بھی دے دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس لوٹے تو ہم نے آپ ﷺ کو سلام کہا۔ آپ نے ہمیں جواب نہیں دیا۔“

(صحیح البخاری: ۱/۱۶۰، ح: ۱۱۹۹، صحیح مسلم: ۱/۲۰۳، ح: ۵۳۸)

**تبصرہ:** حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حبشہ سے واپسی پر صحابہ کرام نے

رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا، آپ ﷺ نماز میں تھے، آپ نے زبان سے جواب نہیں دیا۔ ورنہ اشارے کے ساتھ نماز میں سلام کا جواب دینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اس حدیث کا تعلق اس آدمی سے ہے جو جان بوجھ کر نماز میں کلام کرے۔ اگر جان بوجھ کر سلام کا جواب زبان سے دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر لاعلمی یا نسیان کی وجہ سے ایسا کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

③ سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةُ لَا يَصْلَحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ ... ))

”نماز میں لوگوں کی کچھ کلام بھی درست نہیں۔“ (صحیح مسلم: ۱/۲۰۳، ح: ۵۳۷)

**تبصرہ:** واضح رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول

اللہ ﷺ کی کلام کا مخاطب وہ صحابی تھے جنہوں نے جان بوجھ کر نماز میں کلام کی تھی لیکن انہیں علم نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا منع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سمجھا دیا کہ نماز میں کلام کرنا درست نہیں۔ چونکہ اس صحابی نے لاعلمی کی بنا پر یہ کام کیا تھا، لہذا آپ ﷺ نے اسے نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ تو ہماری دلیل ہوئی نہ کہ بعض الناس کی!



حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸-۴۶۳ھ) فرماتے ہیں : ولو صحّ للمخالفين ما ادّعوه من نسخ حديث أبي هريرة بتحريم الكلام في الصلاة لم يكن لهم في ذلك حجة ، لأنّ النهي عن الكلام في الصلاة إنّما توجّه إلى العائد القاصد لا إلى الناسي ، لأنّ النسيان متجاوز عنه ، والناسي والساهي ليس ممّن دخل تحت النهي . ”اگر مخالفین کا یہ دعویٰ درست ثابت ہو

بھی جائے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نماز میں کلام کی حرمت سے پہلے کی ہے تو بھی ان کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ نماز میں کلام سے ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو جان بوجھ کر قصداً ایسا کرے۔ جو بھول کر ایسا کرتا ہے اس سے تو درگزر کیا جاتا ہے۔ بھولنے والا ان لوگوں میں سے نہیں جو اس نہی کے تحت داخل ہیں۔“ (التمہید: ۳۶۸/۱)

**الحاصل :** نماز میں لاعلمی یا بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ، ہاں ! اگر جان بوجھ کر کلام کر لی جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بھول کر سلام پھیر دیا جائے اور بعد میں یاد آئے کہ ابھی نماز باقی ہے تو بے شک کلام کر لی جائے تو بھی سابقہ نماز پر بناء کرتے ہوئے باقی نماز مکمل کر لی جائے گی۔ نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔



## سبیل الحق

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (۱۰۷-۱۹۷ھ) فرماتے ہیں : اسلكوا سبيل الحق ، ولا تستوحشوا من قلة أهله . ”تم حق کے راستے پر ہی چلتے رہو، حق کے پیروکاروں کی قلت تمہیں پریشان نہ کرے۔“ (التمہید: ۴۲۹/۱۷، وسندہ صحیح)